گنبدِ خضراء (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی حفاظت میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا کردار

بیان: علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
ترتیب: مولانا قاضی محمد شمس الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۴۳ھ میں سعودی فرماں روا عبدالعزیز بن سعود کی حکومت نے مذہبی حوالے سے جو متنازع اقدامات کیے، ان میں سے جنت المعلّٰی اور جنت البقیع کے مزاراتِ مقدسہ پر بنے ہوئے قُبّوں کی مسماری کا معاملہ بھی تھا۔ اہلِ سعود کا یہ اقدام یہیں تک محدود نہیں تھا، بلکہ اگلے مرحلے میں گنبدِ خضراء کی مسماری بھی ان کا ہدف تھا، اس دوران اُمتِ مسلمہ میں سعودی حکومت کے بارے میں بڑے ناپسندیدہ جذبات پیدا ہوگئے اور دنیا بھر کے علماء اور مذہبی پیشواؤں نے ان کی فہمائش کی کوشش کی، جس کے نتیجہ میں شاہ عبدالعزیز بن سعود نے اسی سال حج کے موقع پر اسی موضوع پر ایک کانفرنس کا انعقاد کیا، جس میں علماء ہند میں سے حضرت مفتی اعظم ہند مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور چند دیگر علماء کو بطورِ خاص مدعو کیا گیا تھا۔ اس کانفرنس میں سلطان عبدالعزیز بن سعود نے اپنے موقف کو توحید پرستی پر مبنی قرار دیتے ہوئے کسی کی پرواہ نہ کرنے کا عزم ظاہر فرمایا، تو جوابی تقریر کے طور پر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ ابن سعود کے نقطۂ نظر کی جو علمی تنقیح، تردید اور تصحیح فرمائی، اس سے نہ صرف یہ کہ سعودی فرماں روا لاجواب ہوگئے، بلکہ مزید اقدامات جن میں گنبدِ خضراء کی توہین آمیز مسماری بھی شامل تھی، اس سے باز آگئے، اس طرح گنبدِ خضراء کا مہبطِ انوار منظر، علماء دیوبند کے سرخیل، بانیِ پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا عظیم کارنامہ ہے۔ علامہ عثمانیؒ کی یہ تقریر اپنی سابقہ تمہید کے ساتھ قارئین کے جذبۂ عقیدت کی نذر کی جارہی ہے۔ **(ادارہ)**

’’فقیر نے یہ مضمون بغور پڑھا اور فقیر کو بہت پسند آیا ہے، یہی مسلک فقیر کے اساتذۂ مشائخ کا تھا، رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ جناب قاضی محمد شمس الدین صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے کافی محنت سے یہ مضمون پرانی تحریروں سے ڈھونڈ نکالا اور پھر نئی ترتیب سے نوک پلک درست کرکے ذی علم حضرات کے سامنے پیش کیا (بعنوان: ’’معرکۂ مکہ مکرمہ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی ایمان افروز تقریر سلطان ابن سعود کے دربار میں۔‘‘)

جو ایک قیمتی تحفہ ہے۔ اس مضمون کی عام اشاعت ہونی چاہیے اور اسلامی دینی اخباروں، رسالوں کو اس قیمتی مضمون کو اپنے اپنے مجلّات میں جگہ دینی چاہیے۔‘‘

(فقط فقیر خان محمد عفی عنہ، ساکن خانقاہ سراجیہ کندیاں، ضلع میانوالی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۳۴۳ ہجری میں سلطان ابن سعود نے حجازِ مقدس کی سرزمین پر قبضہ کرلیا اور حرمین شریفین کے جنتِ معلیٰ اور جنتِ بقیع کے مزاروں کے قبّے گرادیئے، جس کی وجہ سے عام طور پر عالمِ اسلام کے مسلمانوں میں سخت ناراضگی پیدا ہوگئی تو سلطان نے ۱۳۴۳ ہجری کے موقع حج پر ایک مؤتمر منعقد کی، جس میں ہندوستان کے علماء کی طرف سے حضرت مفتی کفایت اللہ ؒ (صدر جمعیت علماء ہند دہلی)، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علی ؒ اور کچھ دیگر علماء بھی شامل ہوئے۔

سلطان ابنِ سعود کی تقریر

اس موقع پر سلطان ابنِ سعود نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

(الف) ''چار اماموں کے فروعی اختلافات میں ہم تشدُّد نہیں کرتے، لیکن اصل توحید اور قرآن وحدیث کی اتباع سے کوئی طاقت ہمیں الگ نہیں کرسکتی، خواہ دُنیا راضی ہو یا ناراض۔''

(ب) ''یہود و نصاریٰ کو ہم کیوں کافر کہتے ہیں؟ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ: ''مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللهِ زُلْفٰى'' (یعنی ہم ان کی پوجا وعبادت اللہ تعالیٰ کے تقرُّب ورضا حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں) تو جو لوگ بزرگانِ دین کی قبروں کی پرستش اور ان کے سامنے سجدے کرتے ہیں، وہ بت پرستوں ہی کی طرح کافر و مشرک ہیں۔''

(ج) ''جب حضرت عمرؓ کو پتہ چلا کہ کچھ لوگ وادیِ حدیبیہ میں شجرۃ الرضوان کے پاس جاکر نمازیں پڑھتے ہیں تو حضرت عمرؓ نے اس درخت کو ہی کٹوادیا تھا کہ آئندہ خدانخواستہ لوگ اس درخت کی پوجا نہ شروع کردیں۔'' سلطان کا مطلب یہ تھا کہ قبّے گرانا بھی درختِ رضوان کو کٹوانے کی طرح ہی ہے۔

ہندوستان کے تمام علماء نے یہ طے کیا کہ ہماری طرف سے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ سلطان ابن سعود کی تقریر کا جواب دیں گے۔

مولانا عثمانیؒ کی ایمان افروز تقریر

مولانا عثمانیؒ نے پہلے تو اپنی شاندار پذیرائی اور مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا، اس کے بعد فرمایا:

(الف):۔ ''ہندوستان کے اہلِ سنت علماء پوری بصیرت کے ساتھ تصریح کرکے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کے اتباع پر پورا زور صرف کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے مکمل اتباع میں ہی ہر کامیابی ہے، لیکن کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مواقعِ استعمال کو سمجھنا ہر کس و ناکس کے

بس کی بات نہیں، اس کے لیے صائب رائے اور صحیح اجتہاد کی اشد ضرورت ہے:

۱:- حضور ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح فرمایا اور اس بات کا بالکل خیال نہ رکھا کہ دنیا کیا کہے گی؟ دوسری طرف خانہ کعبہ کو گرا کر بنائے ابراہیمی پر تعمیر کرنے سے نئے نئے مسلمانوں کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے آپ ﷺ رک گئے، تاکہ دنیا والے یہ نہ کہیں کہ محمد (ﷺ) نے خانہ کعبہ ڈھا دیا۔ دونوں موقعوں کا فرق حضور ﷺ کے اجتہادِ مبارک پر موقوف ہے۔

۲:- اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: ''جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ'' (یعنی کفار ومنافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو) ایک طرف تو اس حکم خداوندی کا تقاضا ہے کہ کفار ومنافقین کے ساتھ سختی کی جائے اور دوسری طرف آپ ﷺ نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھا دی، پھر صحابہؓ نے عرض کیا کہ: منافقین کو قتل کر دیا جائے، مگر آپ ﷺ نے بات منظور نہ فرمائی ''خشيةَ أن يقول الناسُ إن محمدًا يقتل أصحابه'' (یعنی اس اندیشہ کے پیشِ نظر کہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں) حالانکہ یہ دونوں باتیں ''وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ'' سے بظاہر مطابقت نہیں رکھتیں تو اس فرق کو سمجھنے کے لیے بھی مجتہدانہ نظر کی ضرورت ہوتی ہے، جو ہما وشما کے بس کی بات نہیں اور ایسے مواقع پر فیصلہ کرنے کے لیے بڑے تفقُّہ اور مجتہدانہ بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے کہ نص کے تقاضے پر کہاں عمل کیا جائے گا اور کس طرح عمل کیا جائے گا؟ یہ تفقُّہ اور اجتہاد کی بات ہے۔

(ب):- سجدۂ عبادت اور سجدۂ تعظیم کا فرق بیان کرتے ہوئے مولانا عثمانیؒ نے فرمایا:

''اگر کوئی شخص کسی قبر کو یا غیر اللہ کو سجدۂ عبادت کرے تو وہ قطعی طور پر کافر ہو جاتا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر سجدہ سجدۂ عبادت ہی ہو۔ جو شرکِ حقیقی اور شرکِ جلی ہے۔ بلکہ وہ سجدۂ تحیت بھی ہو سکتا ہے، جس کا مقصد دوسرے کی تعظیم کرنا ہوتا ہے اور یہ سجدۂ تعظیمی شرکِ جلی کے حکم میں نہیں ہے۔ ہاں! ہماری شریعت میں قطعاً ناجائز ہے اور اس کے مرتکب کو سزا دی جا سکتی ہے، لیکن اس شخص کو مشرکِ قطعی کہنا اور اس کے قتل اور مال ضبط کرنے کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ خود قرآن پاک میں حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے سجدہ کرنے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں اور والدین کے سجدہ کرنے کا ذکر موجود ہے اور مفسرین کی عظیم اکثریت نے اس سجدہ سے معروف سجدہ (زمین پر ماتھا رکھنا) ہی مراد لیا ہے اور پھر اس کو سجدۂ تعظیمی ہی قرار دیا ہے۔ بہر حال اگر کوئی شخص کسی غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی کرے تو وہ ہماری شریعت کے مطابق گنہگار تو ہوگا، لیکن اسے مشرک، کافر اور مباح الدم والمال قرار نہیں دیا جا سکتا اور اس بیان سے میرا مقصد سجدۂ تعظیمی کو جائز سمجھنے والوں کی وکالت کرنا نہیں، بلکہ سجدۂ عبادت اور سجدۂ تعظیمی کے فرق کو بیان

کرنا ہے۔ رہا مسئلہ قبّوں کے گرانے کا، اگران کا بنانا صحیح نہ بھی ہو تو ہم قبّوں کو گرادینا بھی صحیح نہیں سمجھتے۔ امیر المؤمنین ولید بن عبدالملک عبشمی (اُموی) نے حاکمِ مدینہ حضرت عمر بن عبدالعزیز عبشمی کو حکم بھیجا کہ امہات المؤمنین کے حجراتِ مبارکہ کو گراکر مسجدِ نبوی کی توسیع کی جائے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز عبشمی نے دوسرے حجرات کو گراتے ہوئے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ بھی گرادیا، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی قبریں ظاہر ہوگئیں تو اس وقت حضرت عمر بن العزیزؒ اتنے روئے کہ ایسے روتے کبھی نہ دیکھے گئے تھے، حالانکہ حجرات کو گرانے کا حکم بھی خود ہی دیا تھا۔ پھر سیدہ عائشہؓ کے حجرے کو دوبارہ تعمیر کرنے کا حکم دیا اور وہ حجرۂ مبارکہ دوبارہ تعمیر ہوا۔

اس بیان سے میرا مقصد قبروں پر گنبد بنانے کی ترغیب دینا نہیں، بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ قبورِ اعاظم کے معاملے کو قلوب الناس میں تاثیر اور دخل ہے جو اُس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بے تحاشا رونے اور اس وقت عالمِ اسلام کی آپ سے ناراضگی سے ظاہر ہے۔

(ج):- حضرت عمرؓ نے درخت کو اس خطرہ سے کٹوادیا تھا کہ جاہل لوگ آئندہ چل کر اس درخت کی پوجا نہ شروع کردیں۔ بیعتِ رضوان ۶ ہجری میں ہوئی تھی اور حضور علیہ السلام کا وصالِ پُرملال ۱۱ ہجری میں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفۂ اول کے عہدِ خلافت کے اڑھائی سال بھی گزرے، لیکن اس درخت کو کٹوانے کا نہ حضور علیہ السلام کو خیال آیا، نہ صدیق اکبرؓ کو۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت راشدہ قائم ہوئی، لیکن یہ بھی متعین نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی دس سالہ خلافت کے کون سے سال میں اس درخت کے کٹوانے کا ارادہ کیا۔ گو حضرت عمرؓ کی صوابدید بالکل صحیح تھی، لیکن یہ گنبد تو صدیوں سے بنے چلے آرہے تھے اور اس چودھویں صدی میں بھی کوئی آدمی ان کی پرستش کرتا ہوا نہیں دیکھا گیا۔

(ہ):- رہا وہاں نماز پڑھنا، تو حدیثِ معراج میں آتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کو چار جگہ براق سے اُتر کر نماز پڑھوائی، پہلے مدینہ میں اور بتایا کہ یہ جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی ہے، دوسرے جبلِ طور پر کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، پھر مسکنِ حضرت شعیبؑ پر، چوتھے بیت اللحم پر جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ (نسائی شریف، کتاب الصلوۃ، ص:۸۰، مطبع نظامی، کانپور، ۱۲۹۶ھ)

ا:- پس اگر جبلِ طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھوائی گئی کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کیا تھا، تو جبلِ نور پر ہم کو نماز سے کیوں روکا جائے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی پہلی وحی حضور علیہ السلام پر آئی تھی؟

۲:- مسکنِ شعیبؑ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھوائی گئی تو کیا غضب ہوجائے گا جو ہم مسکنِ خدیجۃ الکبریٰؓ پر دو نفل پڑھ لیں؟ جہاں حضور علیہ السلام نے اپنی مبارک زندگی کے اٹھائیس نورانی سال گزارے تھے۔

۳:- جب بیت اللحم مولدِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حضور علیہ السلام سے دو رکعت پڑھوائی جائیں تو اُمتِ محمد یہ کیوں مولدِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دو رکعت پڑھنے سے روکی جائے؟ جبکہ طبرانی نے مقام مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ''أنفس البُقاع بعد المسجد الحرام في مكة'' مکہ مکرمہ میں مسجد حرام کے بعد مقام مولدِ نبی کریم علیہ التسلیم کو کائناتِ ارضی کا نفیس ترین ٹکڑا قرار دیا ہے۔

۴:- مسکنِ شعیبؑ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پناہ لی تھی، تو اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو نفل پڑھوائے گئے تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی جو ہم لوگ غارِ ثور- جہاں حضور علیہ السلام نے تین دن پناہ لی تھی- دو نفل پڑھ لیں؟

سلطان ابنِ سعود کا جواب

مولانا عثمانیؒ کے اس مفصل جواب سے شاہی دربار پر سناٹا چھا گیا۔ آخر سلطان ابنِ سعود نے یہ کہہ کر بات ختم کی کہ:

''میں آپ کا بہت ممنون ہوں اور آپ کے بیان اور خیالات میں بہت رِفعت اور علمی بلندی ہے، لہٰذا میں ان باتوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ ان تفاصیل کا بہتر جواب ہمارے علماء ہی دے سکیں گے، ان سے ہی یہ مسائل حل ہو سکتے ہیں۔''

.....❁.....❁.....❁.....